اسلام اور انسانی حقوق

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

انسانی حقوق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

معاشرہ سے فتنہ و فساد کے خاتمہ اور امن وامان کے قیام کے لئے معاشرہ کے افراد کے حقوق وفرائض کی تعیین نہایت ضروری چیز ہے، اور یہ تعیین دو طرح سے ہوتی ہے:

ایک صورت یہ ہے کہ معاشرہ کے کچھ سمجھدار لوگ اپنے مشاہدات وتجربات کی روشنی میں ایسے حقوق وفرائض باہمی مشورہ سے طے کرلیتے ہیں۔ ایسی تعیین کبھی تو درست ثابت ہوتی ہے اور کبھی غلط، کیونکہ انسان کی عقل بھی محدود ہے اور علم بھی۔ لہٰذا ایسی تعیین ہمیشہ تجربات کے دور سے گزرتی اور تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

دوسری قسم کی تعیین وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے خود ہی تجویز فرمایا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو بذریعہ وحی ایسی ہدایات واحکامات دے دیئے جاتے ہیں جنہیں عوام الناس تک پہنچانا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے تو ساتھ ہی نبی بھی تھے۔ انہی سے اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی، جبکہ انتہا رسول اللہ ﷺ پر ہوئی۔ گویا تعیین الٰہیہ اور تعیین انسانی میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر غیر متبدل ہے اور لوگوں کو اپنے پیچھے چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ جب کہ ثانی الذکر، جو لوگوں کے تجربات ومشاہدات اور خواہشات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آتی ہے، ہمیشہ تغیر وتبدل کی زد میں رہتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اوّل الذکر خود متبوع، اور عوام اس کے تابع ہوتے ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر تعیین خود لوگوں کی خواہشات کے تابع ہوتی ہے۔

ہماری شریعت کا ایک کثیر حصہ ایسے احکامات وارشادات پر مشتمل ہے جو انسانی حقوق سے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی وفات سے صرف تین چار ماہ پیشتر فریضہ حج ادا فرمایا۔ ہجرت کے بعد یہ آپ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس موقع پر آپؐ نے تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرامؓ سے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمتیں پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیتِ دین پسند کرلیا ہے۔'' (المائدۃ:۳)

اس آیت کے نازل ہونے سے آپ کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اب آپؐ کی زندگی کا مشن پورا ہو چکا ہے، نیز یہ کہ اب آپؐ اپنی زندگی کی آخری منازل طے فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے خطبہ کا آغاز ہی اِن الفاظ سے فرمایا:

أیها الناس اسمعوا قولي فإني لا أدري لعلي ألقاكم بعد عامي هذا بهذا الموقف أبداً

''لوگو! میری باتیں غور سے سن لو! شاید اس سال کے بعد، اس مقام پر میں پھر تم سے نہ مل سکوں''

اس خطبہ کی حیثیت گویا آپؐ کی وصیت کی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے اس موقع پر صرف ان امور کی تاکید فرمائی جنہیں آپؐ انسانی فلاح و بہبود کے لئے نہایت اہم خیال فرماتے تھے۔ نیز یہ خطبہ دراصل پہلے سے نازل شدہ بہت سے احکامات کا خلاصہ تھا۔ اس خطبہ کا اکثر حصہ چونکہ انسانی حقوق کی تعیین پر مشتمل ہے، لہٰذا اگر اسے انسانی حقوق کے سب سے پہلے چارٹر کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس خطبہ کا کثیر حصہ تو آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں ارشاد فرمایا اور کچھ تھوڑا سا حصہ واپسی پر منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔ صورتِ حال یوں تھی کہ آپؐ یہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آپؐ کے الفاظ کو درمیان میں کھڑے لوگ پچھلوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ بعض باتیں آپؐ دو تین بار دہراتے۔ اس خطبہ کے آغاز میں ہی آپؐ نے سب سے اہم تین بنیادی حقوق: جان ومال اور آبرو کی حفاظت کا ذکر فرمایا۔ اور جس بلیغ انداز سے ان کا ذکر فرمایا، اسی سے ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپؐ کے تمام تر خطبہ کا انداز یہ تھا کہ جب آپؐ ایک بات بیان فرما لیتے تو صحابہ کرامؓ سے پوچھتے کہ کیا میں نے یہ بات پہنچا دی؟ صحابہ کرامؓ جب یہ جواب دیتے کہ ہاں آپؐ نے پہنچا دی تو "اللهم اشهد!" فرماتے۔ یعنی ''اے اللہ! اس بات پر گواہ رہنا'' صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت اس بات کا اقرار کر رہی ہے کہ میں نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا ہے۔

جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے آپؐ نے جو انداز اختیار فرمایا، حضرت ابوبکرؓ اسے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ہم سے پوچھا:

"أي شهر هذا؟ قلنا الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيُسَمّيه بغير اسمه: أليس ذا الحجة؟ قلنا، بلىٰ قال أى بلد هذا؟ قلنا الله ورسوله أعلم فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: أليس يوم النحر؟ قلنا، بلىٰ، قال فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فى بلدكم هذا فى شهركم هذا وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم ألا فلا ترجعوا بعدى ضلالا يضرب بعضكم رقاب بعض ألا هل بلّغت؟ قالوا نعم. قال اللهم اشهد.

فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلّغ أوعىٰ من سامع"[1]

''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کی: ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپؐ خاموش ہوگئے، تاآنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس مہینہ کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟'' ہم نے عرض کی ''جی ہاں!'' پھر آپؐ نے پوچھا: ''یہ شہر کون سا ہے؟'' ہم نے کہا ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپؐ خاموش ہوگئے، تاآنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہ البلدۃ (مکہ) نہیں؟'' ہم نے کہا ''جی ہاں'' پھر آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے کہا: ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپؐ خاموش ہوگئے تاآنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے، اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے کہا: ''جی ہاں'' تب آپؐ نے فرمایا ''بلاشبہ تم پر تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں، جس طرح اس مہینہ کی، اس شہر مکہ میں اور اس قربانی کے دن میں حرمت ہے۔ اور بلاشبہ تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ ہوکر ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا۔'' پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا، ''کیا میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کی، ''جی ہاں'' تو آپؐ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا۔'' پھر آپؐ نے فرمایا جو شخص یہاں موجود ہے، اسے چاہئے کہ وہ یہ بات اس شخص تک پہنچا دے، جو یہاں موجود نہیں، کیونکہ بسا اوقات سننے والے سے وہ شخص زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہوتا ہے، جس کو بات پہنچائی جائے گی۔''

غور فرمایئے! اس ارشادِ مبارک میں تین قسم کی، اور تہری حرمت بیان کرنے کے بعد جان، مال اور آبرو کی حرمت کو اس تہری حرمت کے مانند قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آپؐ نے یہ تاکید بھی فرما دی کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں۔ تاکہ یہ پیغام دنیا بھر کے لوگوں تک اور قیامت تک کے لوگوں کو پہنچ سکے۔

جان، مال اور آبرو کی حفاظت سے متعلق آپؐ کے اس مختصر مگر جامع ارشاد سے پہلے جو اَحکام نازل ہوچکے تھے، مختصراً درج ذیل ہیں:

(۱) جان کی حفاظت

قتل ناحق کو شدید ترین اور ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ﴿وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِى الْاَلْبَابِ﴾ (البقرۃ:۱۷۹)

''اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لئے زندگانی ہے۔''

ناقابل قبول ہے۔ (النور:۴)

(iii) شراب نوشی کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ۴۰ کوڑے یا ۸۰ کوڑے ہے۔[5] کیونکہ شرابی نشہ کی حالت میں بعض دفعہ لوگوں کی بے عزتی کر دیتا ہے اور بعض دفعہ کسی پر تہمت بکنے لگتا ہے۔

یہ تو جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں حدود و تعزیرات کا ذکر تھا۔ اب اسی سلسلہ کے درج ذیل ارشاداتِ نبویؐ بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

۱۔ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں۔[6] (یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں)

۲۔ جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مارا جائے، وہ شہید ہے۔[7]

۳۔ مسلمان پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔[8]

۴۔ کسی شخص کے لئے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔[9]

۵۔ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔[10]

(۴) حق ملکیت

سرمایہ دارانہ نظام میں زمین اور دوسری اشیا کا غیر مشروط حق ملکیت تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک سرمایہ دار اپنے سرمایہ سے، جیسے بھی چاہے، اپنی دولت میں اضافہ کرسکتا ہے، خواہ اس کا یہ طریق کار معاشرہ کے اخلاق یا معاش کے لئے کتنا ہی نقصان دہ کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف اشتراکیت میں حق ملکیت کو یکسر ختم کیا گیا ہے اور سب کچھ قومی تحویل میں لے لیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام فرد کے حق ملکیت کو تسلیم تو کرتا ہے مگر چند شرائط کے تحت۔ اسلامی نقطہ نظر سے ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور انسان یا جماعت کے پاس جو کچھ ہے، وہ بطورِ امانت ہے۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت ہی تصرف کرسکتے ہیں۔

قدرتی اشیاء سے استفادہ کے معاملہ میں ہر شخص کو مساویانہ حق حاصل ہے۔ مثلاً جنگل کی لکڑیوں کو جو شخص بھی اکٹھا کرکے لائے گا، وہ اسی کی ہوں گی۔ خواہ وہ انہیں خود استعمال کرے یا بازار میں جا کر بیچ دے یا کوئی شخص اگر محنت کرکے پانی کے چشمہ سے پانی لاتا ہے تو وہ اسی کا ہوگا، کوئی دوسرا اس سے چھین نہیں سکتا۔ اس طرح اگر جنگل میں کوئی پھلدار درخت اُگ آیا ہے اور وہ زمین کسی کی ملکیت بھی نہیں، تو جو شخص سب سے پہلے وہاں جا کر قبضہ کرے گا اور اس کی حفاظت کا اہتمام کرے گا، تو وہ اسی کی ملکیت بن جائے گا۔ حتیٰ کہ اسلامی نقطہ نظر سے تو اگر کوئی شخص بنجر اور غیر مملوکہ زمین کو آباد کرلیتا ہے، تو وہ اسی کی ہوجاتی ہے۔[11]

فلیبلغ الشاھد الغائب فرب مبلّغ أوعیٰ من سامع" [1]

''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کی: ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپؐ خاموش ہوگئے، تا آنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس مہینہ کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟'' ہم نے عرض کی ''جی ہاں!'' پھر آپؐ نے پوچھا: ''یہ شہر کون سا ہے؟'' ہم نے کہا ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپؐ خاموش ہوگئے، تا آنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہ البلدۃ (مکہ) نہیں؟'' ہم نے کہا ''جی ہاں'' پھر آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے کہا: ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپؐ خاموش ہوگئے تا آنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے، اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے کہا: ''جی ہاں'' تب آپؐ نے فرمایا ''بلاشبہ تم پر تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں، جس طرح اس مہینہ کی، اس شہر مکہ میں اور اس قربانی کے دن میں حرمت ہے۔ اور بلاشبہ تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ ہوکر ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا۔'' پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا، ''کیا میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کی، ''جی ہاں'' تو آپؐ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا۔'' پھر آپؐ نے فرمایا جو شخص یہاں موجود ہے، اسے چاہئے کہ وہ یہ بات اس شخص تک پہنچا دے، جو یہاں موجود نہیں، کیونکہ بسا اوقات سننے والے سے وہ شخص زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہوتا ہے، جس کو بات پہنچائی جائے گی۔''

غور فرمائیے! اس ارشادِ مبارک میں تین قسم کی، اور تہری حرمت بیان کرنے کے بعد جان، مال اور آبرو کی حرمت کو اس تہری حرمت کے مانند قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آپؐ نے یہ تاکید بھی فرما دی کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں۔ تاکہ یہ پیغام دنیا بھر کے لوگوں تک اور قیامت تک کے لوگوں کو پہنچ سکے۔

جان، مال اور آبرو کی حفاظت سے متعلق آپؐ کے اس مختصر مگر جامع ارشاد سے پہلے جو اَحکام نازل ہوچکے تھے، مختصراً درج ذیل ہیں:

(۱) جان کی حفاظت

قتل ناحق کو شدید ترین اور ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (البقرۃ:۱۷۹)

''اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لئے زندگانی ہے۔''

ناقابل قبول ہے۔ (النور:۴)

(iii) شراب نوشی کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ۴۰ کوڑے یا ۸۰ کوڑے ہے۔[۵] کیونکہ شرابی نشہ کی حالت میں بعض دفعہ لوگوں کی بے عزتی کر دیتا ہے اور بعض دفعہ کسی پر تہمت بکنے لگتا ہے۔

یہ تو جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں حدود و تعزیرات کا ذکر تھا۔ اب اسی سلسلہ کے درج ذیل ارشاداتِ نبویؐ بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

۱۔ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں۔[۶] (یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں)
۲۔ جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مارا جائے، وہ شہید ہے۔[۷]
۳۔ مسلمان پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔[۸]
۴۔ کسی شخص کے لئے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔[۹]
۵۔ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔[۱۰]

(۴) حق ملکیت

سرمایہ دارانہ نظام میں زمین اور دوسری اشیا کا غیر مشروط حق ملکیت تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک سرمایہ دار اپنے سرمایہ سے، جیسے بھی چاہے، اپنی دولت میں اضافہ کرسکتا ہے، خواہ اس کا یہ طریق کار معاشرہ کے اخلاق یا معاش کے لئے کتنا ہی نقصان دہ کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف اشتراکیت میں حق ملکیت کو یکسر ختم کیا گیا ہے اور سب کچھ قومی تحویل میں لے لیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام فرد کے حق ملکیت کو تسلیم تو کرتا ہے مگر چند شرائط کے تحت۔ اسلامی نقطہ نظر سے ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور انسان یا جماعت کے پاس جو کچھ ہے، وہ بطورِ امانت ہے۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت ہی تصرف کرسکتے ہیں۔

قدرتی اشیاء سے استفادہ کے معاملہ میں ہر شخص کو مساویانہ حق حاصل ہے۔ مثلاً جنگل کی لکڑیوں کو جو شخص بھی اکٹھا کرکے لائے گا، وہ اسی کی ہوں گی۔ خواہ وہ انہیں خود استعمال کرے یا بازار میں جا کر بیچ دے یا کوئی شخص اگر محنت کرکے پانی کے چشمہ سے پانی لاتا ہے تو وہ اسی کا ہوگا، کوئی دوسرا اس سے چھین نہیں سکتا۔ اس طرح اگر جنگل میں کوئی پھلدار درخت اُگ آیا ہے اور وہ زمین کسی کی ملکیت بھی نہیں، تو جو شخص سب سے پہلے وہاں جا کر قبضہ کرے گا اور اس کی حفاظت کا اہتمام کرے گا، تو وہ اسی کی ملکیت بن جائے گا۔ حتیٰ کہ اسلامی نقطہ نظر سے تو اگر کوئی شخص بنجر اور غیر مملوکہ زمین کو آباد کرلیتا ہے، تو وہ اسی کی ہوجاتی ہے۔[۱۱]

(۵) معاشرتی حقوق

اسلام معاشرہ کے افراد میں اونچ نیچ کا قائل نہیں، بلکہ مساوات کا حامی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقٰكُمْ...... الاية﴾ (الحجرات:۱۳)

''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہو''

انسان کے اس فطری حق کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں یوں وضاحت فرمائی:

"أيها الناس إن ربكم واحد وإن اباكم واحد، كلكم بنو اٰدم و اٰدم من تراب، ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على أسود ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوى" (مسند احمد)

''لوگو! بلاشبہ تم سب کا ربّ ایک اور باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ سن رکھو! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت اگر ہوسکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر ہوسکتی ہے!''

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ مبارک سے قومیت پرستی، وطنیت پرستی اور نسلی ولسانی اختلافات وفسادات کی جڑ کٹ جاتی ہے جو آج کل بین الاقوامی اور بین المملکتی فسادات نیز جنگ وجدال کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

پھر اس سلسلہ میں آپؐ کا اندازِ تربیت بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوذرؓ غفاریؓ ایک جلیل القدر صحابی اور سابقون الاولون میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان سے خصوصی پیار بھی تھا۔ حضرت ابوذرؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو برا بھلا کہا اور اس کی ماں کو گالی دی[۱۲] تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: "يا أبا ذر عيرتهٗ بأمه إنك امرء فيك أمر الجاهلية"

''اے ابوذرؓ! تو نے اسے (حضرت بلالؓ کو) اس کی ماں سے عار دلائی ہے، تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت کا اثر باقی ہے!''

(۶) معاشی حقوق

سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی حقوق کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، خواہ اس بنا پر معاشرہ کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے۔ اس کے اخلاق تباہ ہوں، بے حیائی اور فحاشی کو فروغ ملے، مثلاً لوگوں کو گندم کی

ضرورت ہو، لیکن سرمایہ دار یہ سمجھے کہ اس وقت اسے شراب بنانے میں زیادہ فائدہ ہے تو وہ شراب ہی مہیا کرے گا اور حکومت اس پر کوئی گرفت نہیں کرسکتی۔ اس کے برعکس اشتراکیت میں یہ حقوق یکسر چھین لئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کے لئے حکومت خود کاروبار تجویز کرتی ہے، اور اسے بس ایک مشین کی طرح وہ کام کرنا پڑتا ہے۔

اسلام میں اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے، مگر چند در چند پابندیوں کے ساتھ، مثلاً جو چیزیں شریعت نے حرام قرار دی ہیں، ان کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔ چنانچہ شراب نوشی اگر حرام ہے تو شراب فروشی بھی حرام ہے۔ اگر مردار حرام ہے، تو اس کی کسی بھی چیز کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی خود اس سے کچھ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، غصب، رشوت، رہزنی وغیرہ حرام، ان سے حاصل شدہ مال بھی حرام ہے۔

حرام اشیا میں سرفہرست سود ہے۔ سود اس کی تمام شکلوں کو، خواہ یہ مہاجنی قرضے ہوں یا کمرشل انٹرسٹ، سود مفرد ہو، مرکب یا ڈسکاؤنٹ (منی کاٹا) یا مارک اَپ اور مارک ڈاؤن۔ شریعت نے نہ صرف حرام، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ کیونکہ طبقاتی تقسیم جس قدر سود سے بڑھتی ہے، اور کسی چیز سے نہیں بڑھتی، جو بالآخر فتنہ وفساد اور لوٹ مار پر منتج ہوتی ہے۔ سود چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس کی کوکھ سے اس کی دوسری انتہا اشتراکیت نے جنم لیا۔ سود کی حرمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بالخصوص اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"وربا الجاهلية موضوع وأول ربا أضع من ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فإنه موضوع كله" (صحیح مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ)

"دورِ جاہلیت کا سود موقوف کیا جاتا ہے۔ اور پہلا سود جو میں تمام کا تمام موقوف کرتا ہوں، وہ اپنے قبیلہ میں سے عباس بن عبدالمطلبؓ کا سود ہے!"

حضرت عباسؓ آپؐ کے حقیقی چچا تھے جو تجارت کے لئے رقم سود پر دیا کرتے تھے۔ گویا آپؐ نے اس اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے کرکے سود کا جزیرۃ العرب سے خاتمہ کردیا۔

اسلام انسان کی کمائی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے: ایک حلال، دوسرا حرام! ......حرام کمائی کی تمام تر تفصیلات کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔ اس حرام کمائی سے بچتے ہوئے ہر انسان پیشہ کا انتخاب نیز کمائی کے ذرائع کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اور اس طرح جتنی بھی دولت وہ کمالے، یہ اس کی جائز آمدنی اور اس کی ملکیت ہوگی۔

تاہم اس جائز کمائی پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہیں: اسلام مال کو ضائع کرنے، دولت کے بے جا

استعمال اور عیاشیانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اس نے اس آمدنی میں زکوٰۃ وصدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں دوسروں کے حقوق کی نشاندہی بھی کردی ہے۔ یوں معاشرہ کے محروم طبقات کو ان کا حق بھی مل جاتا ہے، دولت بھی گردش میں رہتی ہے، اور معاشرہ فساد و بدامنی کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ نیز طبقاتی تقسیم میں از خود نمایاں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

(۷) سیاسی حقوق

آج کل سیاسی حقوق کا بڑا چرچا ہے۔ ہر بالغ انسان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، رائے دہی کا حق حاصل ہے، اور مملکت کا ہر شہری بلاتخصیص مرد و زَن، بڑے سے بڑے سرکاری منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ اسلام ایسے غیر مشروط سیاسی حقوق کا قائل نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو سیاسی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ جب وہ اپنے گھر کی سربراہ بھی نہیں بن سکتی، تو ایک علاقہ یا ملک کی کیسے بن سکتی ہے؟ نیز اسلامی نقطہ نظر سے ہر ایرے غیرے سے رائے طلب کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ رائے صرف اس شخص سے لی جائے گی، جو اس کا اہل ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ ہم اپنے ذاتی امور میں تو رائے صرف اس شخص سے لیتے ہیں، جسے اس کا اہل سمجھتے ہیں۔ ہر کسی سے نہ مشورہ کرتے ہیں نہ رائے لیتے ہیں، تو پھر کیا اُمورِ مملکت ہی ایسے گئے گزرے معاملات ہیں کہ ان کے بارے میں اس پابندی کو یکسر ختم کردیا جائے؟

سیاسی اُمور میں اسلام باہمی مشورہ کی تاکید کرتا ہے، اور رائے دہی کا حق بھی دیتا ہے۔ مگر رائے دہی پر پابندیاں یہ ہیں کہ وہ مسلمان ہو، کم از کم نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو، سمجھ دار ہو اور کوئی ایسا جرم نہ کرچکا ہو، جس کی بنا پر اس کی شہادت ناقابل قبول ہو۔ ایسے لوگوں سے خلیفہ کے انتخاب میں رائے لی جاسکتی ہے اور مناصب کے لئے چند شرائط بھی ہیں، جیسے علومِ شریعت سے واقفیت اور تقویٰ وغیرہ۔

جمہوریت میں عہدہ یا منصب کے حصول کو ہر فرد کا حق قرار دیا گیا ہے، جبکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ حق نہیں، بلکہ ایک گراں بار ذمہ داری ہے۔ اسی لئے عہدہ کی طلب کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔

(۸) عدل وانصاف کا حق

ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اسے عدل وانصاف مہیا ہو، پھر مفت اور بلاتاخیر مہیا ہو اور یہ حق اس قدر اہم ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَـٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَىٰكَ اللَّهُ...... الاية﴾

”اے پیغمبر! ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں۔“ (النساء:۱۰۵)

اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں جتنے فیصلے فرمائے، ان میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ عدل وانصاف میں تاخیر بذاتِ خود بہت بڑا ظلم ہے۔ اب ہمارے ہاں عدالتوں کا جو حال ہے، وہ خود ملاحظہ فرما لیجئے۔ عدل وانصاف کا حصول انتہائی مہنگا ہے، اور فوجداری مقدمات پر بھی سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ دیوانی مقدمات کا تو اور بھی برا حال ہے۔ ہماری عدالتوں کے اس طریقہ کار کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جرائم کی تعداد میں دم بدم اضافہ ہورہا ہے، اور معاشرہ میں امن وامان کی صورت پریشان کن بن چکی ہے۔

اسلامی قانون کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہاں قانون ساز خود اللہ تعالیٰ ہے، جس کی نظر میں شاہ وگدا، امیر وغریب، آقا وغلام سب برابر ہیں، لہٰذا شرعی قانون سب پر ایک ہی جیسا لاگو ہے۔ اسلام کی یہی وہ صفت ہے جو اسے دوسرے تمام نظامہائے حیات سے ممتاز کردیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے تمام نظاموں میں قانونی حاکمیت یا تو کسی ایک انسان کی ہوتی ہے یا کسی ادارہ یا پارلیمنٹ کی۔ ایسے حاکم یا قانون ساز ادارے اپنے آپ کو بہرحال قانون کی گرفت میں آنے سے بچائے رکھتے ہیں۔

(۹) آزادئ رائے کا حق

آزادئ رائے اگر معقول حدود میں ہو تو مثبت نتائج پیدا کرتی ہے، اور یہ بے لگام وبے مہار ہو تو یہ ہزاروں فتنے پیدا کرکے مملکت کی سرحدوں کو کمزور کرتی رہتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں وقتاً فوقتاً حکومتوں کو اس لامحدود آزادی کو مختلف پابندیوں اور اخلاقی ضابطوں سے محدود کرنا پڑتا ہے۔

اسلام نے آزادئ رائے کو جائز اور لازم قرار دیا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہر مسلمان کو آزادئ رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کا پورا پورا حق حاصل تھا، جسے وہ اپنا دینی فریضہ تصور کرتا تھا، تاکہ عوام کو ان کے جائز حقوق مل سکیں اور ملک میں نیکی کی حوصلہ افزائی اور برائی کا استیصال ہو۔ یہاں یہ حق کسی خاص جماعت یعنی حزبِ اختلاف کو نہیں کہ وہ حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرے اور اس کے اچھے کاموں کی بھی مذمت کرتی رہے، کیونکہ اسلامی شوریٰ میں باقاعدہ حزبِ اختلاف کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

تاریخ اسلام میں کئی ایسے واقعات مذکور ہیں کہ عام مسلمانوں نے خلفا پر گرفت کی اور انہوں نے اسے تسلیم ہی نہ کیا، بلکہ اس جذبہ تنقید کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ ایسے واقعات کا اس مختصر مقالہ میں ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔

(۱۰) حق تعلیم

اسلام میں تعلیم حاصل کرنا اس کا لازمی حصہ ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا علم کے فضائل کا ذکر

آیا ہے۔اور آپؐ نے فرمایا: "خیر کم من تعلم القرآن و علمه" (۱۳)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے، جو خود قرآن سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے''

نیز آپؐ نے یہ ارشاد فرما کر تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیا ہے

"طلب العلم فریضة علی کل مسلم" (۱۴) ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''

حضرت عمرؓ نے حصولِ تعلیم کو لازمی قرار دیا۔ اور اس کے لئے بہت سے ادارے قائم کئے۔ حتیٰ کہ خانہ بدوش، بدوؤں کے لئے قرآنِ مجید کی تعلیم کو لازمی قرار دیا۔ آپؐ نے ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لے، اور جس کو قرآنِ مجید کا کوئی حصہ بھی یاد نہ ہو، اسے سزا دے۔ (۱۵)

کتاب وسنت کے علاوہ دوسرے علوم کی تعلیم کی طرف قرآن میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ البتہ ایک اسلامی مملکت میں ایسی تعلیم، جو اس کے بنیادی نظریات کے خلاف ہو اسے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۱) حق آزادئ مذہب

ایک اسلامی مملکت میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جونسا عقیدہ اور مذہب پسند کرتا ہے، اختیار کرے، اور اپنی مذہبی عبادات بجا لائے۔ مگر اسے کوئی ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو کسی دوسرے مذہب یا فریق کی دل آزاری یا نقضِ عامہ کا باعث بنے۔

اسلام کسی کو جبراً مسلمان بنانے کا ہرگز قائل نہیں۔ لیکن ایک دفعہ اسلام لانے کے بعد مذہب کی تبدیلی کو وہ جرم قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک تحریک ہے لہٰذا دین کی تبدیلی کو بغاوت سمجھ کر اس کی سزا قتل قرار دیتا ہے۔

دورِ فاروقی میں اہل کتاب آزادی سے اپنی مذہبی رسوم ادا کرتے۔ ناقوس بجاتے اور صلیب نکالتے تھے۔ مسلمان اگر ان سے سختی کرتے تو وہ پاداش کے مستحق ہوتے تھے۔

(۱۲) باہمی حقوق

اب ہم افرادِ معاشرہ کے حقوق کا اس ترتیب سے ذکر کریں گے، جس پر معاشرہ کی بنیاد اٹھتی ہے۔ ان حقوق میں سب سے پہلا نمبر زوجین (میاں بیوی) کے حقوق کا ہے۔

۱۔ زوجین کے حقوق: ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ......الاية﴾ (البقرہ: ۲۲۸)

''اور بیویوں کے حقوق اپنے خاوندوں پر ایسے ہیں، جیسے دستور کے مطابق خاوندوں کے ان پر

ہیں۔البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔''

عورتوں کا مردوں پر حق یہ ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق بیویوں کے نان ونفقہ اور رہائش کے ذمہ دار ہیں۔انہیں یہ ذمہ داری پوری کرنا بھی ضروری ہے،اور حسن سلوک سے پیش آنا اس سے بھی زیادہ ضروری! جب کہ مردوں کا عورتوں پر حق یہ ہے کہ وہ گھر کی مالکہ ہونے کی حیثیت سے اس امانت میں کسی طرح کی خیانت نہ کریں اور ان کی اطاعت کریں۔مردوں کو جو زائد درجہ حاصل ہے، وہ عورتوں پر نگران ہونے کی بنا پر ہے۔اب چونکہ منتظم خانہ ہونے کی حیثیت سے مردوں سے عورتوں پر زیادتی کا خطرہ موجود ہے،اس لئے آپؐ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس طرف خصوصی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

"استوصوا بالنساء خيرا فإنهن عندكم عوان لايملكن لأنفسهن شيئا"

''عورتوں کے بارے میں میں تمہیں حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں، کیونکہ وہ تمہارے زیر نگیں رکھی گئی ہیں، جو خود کچھ نہیں کرسکتیں۔'' (طبقات ابن سعد)

ازدواجی زندگی کی اصل روح مودّت، موانست اور مہربانی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ...... الاية﴾ (الروم:۲۱) ''اور اس اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں، تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہوکر) سکون حاصل کرو۔اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی۔''

لہٰذا فریقین پر لازم ہے کہ وہ خوشگواری کی فضا کو بہرطور قائم رکھیں۔لیکن اگر وہ اسے برقرار نہ رکھ سکیں اور ناچاقی کی صورت پیدا ہوجائے تو مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے جو اگرچہ ناگزیر حالات میں جائز ہے،مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔(۱۶)

ب۔ والدین اور اولاد کے حقوق

والدین پر اولاد کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کا اچھا سا نام رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو ساتویں دن عقیقہ کریں۔اولاد کی تعلیم وتربیت کا داعیہ چونکہ ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہے، لہٰذا یہاں قابل ذکر بات صرف یہ ہے کہ اولاد کی تربیت اور تعلیم اسلامی خطوط پر ہونی چاہئے۔لڑکی اگر بالغ ہوجائے تو اس کے لئے کوئی موزوں اور دیندار رشتہ تلاش کرکے اس کی شادی کرنا والد پر فرض ہے۔البتہ لڑکے کے سلسلہ میں وہ مختار ہے۔اگر کرسکتا ہے تو کردے، ورنہ اس پر ذمہ داری نہیں ہے۔

دوسری طرف اولاد پر والدین کی خدمت اور ان سے حسن سلوک اس قدر ضروری ہے کہ کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ذکر کے ساتھ والدین سے احسان کا ذکر فرمایا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضىٰ رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوْا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْكِلاَهُمَا فَلاَتَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلاَتَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا﴾ (الاسراء:۲۳)

''اور تمہارے پروردگار نے فیصلہ فرما دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہنا، اور نہ انہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب سے کرنا۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصٰلُهُ فِىْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْلِىْ وَلِوَالِدَيْكَ...... الاية﴾ (لقمان:۱۴)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکیدی حکم دیا، اس کی ماں اسے تکلیفیں سہہ سہہ کر اٹھائے پھرتی رہی۔ پھر دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، کہ میرا بھی شکر ادا کرتا رہ، اور اپنے والدین کا بھی۔''

ایک دفعہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں'' سائل نے پوچھا: ''اس کے بعد کون؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں'' سائل نہ تیسری بار کہا کہ ''اس کے بعد کون؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں'' اور جب چوتھی بار سائل نے یہی بات پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: ''تیرا باپ''[۱۷]

ایک دفعہ آپؐ نے برسر منبر فرمایا: ''اس شخص پر لعنت جسے بوڑھے والدین یا ان میں سے کوئی ایک میسر آئے اور وہ اس کی خدمت کرکے اپنے گناہ بخشوا نہ لے۔''[۱۸]

ایک دفعہ آپؐ سے پوچھا گیا: ''سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا'' پھر پوچھا گیا۔ ''اس کے بعد کون سا؟'' آپؐ نے فرمایا: "عقوق الوالدين"[۱۹] یعنی ''والدین کی نافرمانی کرنا یا انہیں ستانا''۔

ایک دفعہ ایک باپ بیٹے کی شکایت لے کر آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں بوڑھا ہوں، کمانے کے قابل نہیں رہا، اور میرا بیٹا مجھے کچھ نہیں دیتا۔ آپؐ نے بیٹے کو بلا کر فرمایا:

"أنت ومالك لأبيك"[۲۰] ''تم خود بھی اور تمہارا مال بھی سب کچھ تمہارے باپ کا ہے''

اور ایک دفعہ یوں فرمایا:

"إن أطيب ما أكلتم من كسبكم وإن أولادكم من كسبكم"[۲۱]

''پاکیزہ ترین رزق جو تم کھاتے ہو، وہ تمہاری اپنی کمائی ہے، اور اولاد بھی تمہاری کمائی ہے''

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باپ ضرورت مند ہو اور بیٹا اس طرف توجہ نہ کرے تو باپ کو

شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیٹے کا سب کچھ یا حسبِ ضرورت مال لے لے۔

ج۔ خادموں کے حقوق

ایک دفعہ آپؐ سے کسی نے پوچھا: ''میرے پاس ایک ہی دینار ہے، وہ کس پر خرچ کروں؟'' آپؐ نے فرمایا) اپنی ذات پر۔'' وہ کہنے لگا، ''اگر ایک اور بھی ہو تو اسے کس پر خرچ کروں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اپنی اولاد پر'' وہ کہنے لگا: ''اور اگر ایک اور ہو تو؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اپنی بیوی پر'' وہ کہنے لگا: ''اور اگر ایک اور ہو تو؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اپنے خادم پر'' وہ کہنے لگا کہ ''اگر ایک اور ہو تو؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اب آگے جو تو خود مناسب سمجھے۔''(۲۲)

اس حدیث میں اولاد پر خرچ کرنے کا ذکر بیوی سے پہلے آیا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ خاوند بہت تنگ دست ہو، جیسے یہ سائل تھا۔ اس صورت میں چھوٹی اولاد بہرحال ماں سے زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ ورنہ بیوی کا نمبر اولاد سے پہلے ہے۔

اگرچہ قرآن کریم میں خدام سے حسن سلوک کا جابجا ذکر آیا ہے، تاہم درج ذیل حدیث اس موضوع پر نہایت جامع ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"إخوانكم خدلكم جعلهم الله تحت أيديكم فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس ولاتكلفوهم ما يغلبهم فان تكلفوهم فأعينوهم"(۲۳)

''تمہارے خادم، مزدور، غلام تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ نے تمہارے رحم وکرم پر چھوڑا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے۔ اور اسے ایسا کام کرنے کو نہ کہے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اور اگر کبھی ایسا کام کرنے کو کہے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔''

اس ارشادِ نبویؐ سے درج ذیل اُمور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ خَدل کا لفظ خادم، مزدور، غلام سب کے لئے مشترک ہے۔ لہٰذا یہ لوگ معاشرتی لحاظ سے تمہارے برابر ہی نہیں، بلکہ تمہارے بھائی ہیں۔ آپ نے إخوانكم کا لفظ پہلے استعمال کرکے اس کی تائید مزید فرما دی۔

۲۔ ایسے خادموں کو کھانے اور پہننے کو وہی کچھ دینا چاہئے جو خود مالک کھاتا اور پہنتا ہے۔ اس سے مزدور کی اُجرت یا تنخواہ کی تعیین پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

۳۔ ولا تكلّفو هم ما يغلبهم اس سے معلوم ہوا کہ خادموں کے آرام اور آسائش کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر کوئی کام ان کی ہمت سے زیادہ ہو تو مالک کو خود اس کام میں اس کا شریک بن

جانا چاہیے، تاکہ آقا کی ذہنی برتری کا بھی علاج ہوجائے۔

ایک دفعہ ایک غلام روتا چلاتا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''میں ایک غلام ہوں، میرے مالک نے مجھے ایک لونڈی کا بوسہ لینے کی پاداش میں خصی کردیا ہے۔'' آپؐ نے مالک کو بلایا، لیکن وہ حاضر نہ ہوا۔ اس پر آپؐ نے یکطرفہ فیصلہ دے دیا، اور فرمایا: "اذهب أنت حر" (جا تو آزاد ہے) وہ کہنے لگا: ''اگر میرے مالک نے مجھے پکڑ کر دوبارہ غلام بنالیا تو پھر میری مدد کون کرے گا؟'' آپؐ نے فرمایا: "على كل مسلم"[۲۴] (یعنی ہر مسلمان پر تمہاری مدد کرنا فرض ہے) گویا مسلم معاشرہ یا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ (صحیح سنن ابن ماجہ: حدیث نمبر ۲۶۸۰)

بعد میں صحابہؓ میں یہ دستور چل نکلا کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مارتا پیٹتا تو دوسرا صحابیؓ اسے برملا کہہ دیتا کہ اب اسے آزاد کرو۔ چنانچہ دورِ صحابہؓ میں اس طور پر بھی غلاموں کی ایک کثیر تعداد کو آزادی ملی۔

د۔ رشتہ داروں کے حقوق

رشتہ دار دو طرح کے ہیں: ایک قریبی یا خون کے رشتہ دار، دوسرے دور کے رشتہ دار جن سے خونی تعلق نہیں ہوتا۔ ان دونوں سے حسن سلوک کی تاکید تو ایک جیسی ہے، البتہ قریبی رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ ان سے بہر طور تعلقات استوار اور خوشگوار رکھے جائیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کی تاکید آئی ہے، جب کہ ہمارے ہاں اکثر سننے میں آتا ہے کہ ''اپنوں سے تو بیگانے ہی اچھے ہوتے ہیں'' ان لوگوں کا یہ قول شریعتِ اسلامیہ کے مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں چند ارشاداتِ نبوی ملاحظہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

۱۔ ''کسی شخص کا یہ کمال نہیں کہ وہ حسن سلوک کا جواب حسن سلوک سے دے۔ بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ اس کے رشتہ دار اس سے بدسلوکی کریں تو بھی وہ ان سے حسن سلوک سے پیش آئے۔''[۲۵]

۲۔ حضرت ابوذرؓ غفاریؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ
''رشتہ داروں کے حقوق پوری طرح ادا کرو، اگرچہ وہ تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں''[۲۶]

۳۔ ''جو شخص عام غریبوں کو صدقہ کرے گا اسے ایک اجر ملے گا، لیکن جو اپنے قرابت داروں کی امداد کرے گا، اسے دوہرا اجر ملے گا۔''[۲۷]

۴۔ ''جو شخص صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''[۲۸]

۵۔ ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز ہو، اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔''[۲۹]

ہ۔ ہمسایوں کے حقوق

ہمسائے تین طرح کے ہوتے ہیں:

(i) رشتہ دار ہمسائے (ii) رفیق ہمسائے (iii) اجنبی ہمسائے۔ اسی ترتیب سے ان کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے۔ ہمسایوں کے حق کے متعلق آپؐ نے ایک بار یوں ارشاد فرمایا:

"جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه" (۳۰)

''جبریلؑ امین مجھے ہمسایہ کے متعلق تاکید کرتے ہی گئے، تاآنکہ میں یہ خیال کرنے لگا کہ وہ ہمسایہ کو وراثت میں حق دار بنادیں گے''

ایک بار آپؐ نے یوں فرمایا:

''وہ شخص مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے، اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو'' (۳۱)

نیز فرمایا: ''وہ شخص مؤمن نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو۔'' (۳۲)

اور ایک دفعہ یوں فرمایا: ''اگر تیرے ہمسائے تجھے اچھا آدمی سمجھتے ہیں تو تو واقعی اچھا ہے۔ اور اگر برا سمجھتے ہیں تو تو واقعی برا آدمی ہے۔'' (۳۳)

ایک مرتبہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت خوب نمازیں اور نوافل پڑھتی، روزے رکھتی اور خیرات کرتی ہے۔ مگر اس کے ہمسائے اس کی بدزبانی سے عاجز ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''وہ جہنمی ہے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں عورت میں یہ خوبیاں تو نہیں، وہ صرف فرائض ہی بجالاتی ہے، مگر پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی۔ آپؐ نے فرمایا: ''وہ جنتی ہے۔'' (۳۴)

و۔ عام معاشرہ کے حقوق

معاشرہ میں اُلفت و محبت کے جذبہ کو فروغ دینے کے لئے قرآن مجید میں بھی بہت کچھ مذکور ہے، مگر ہم یہاں بغرضِ اختصار صرف رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

۱۔ ''تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب جسم کا ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم کرب واضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (۳۵)

۲۔ ''مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں، جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔'' (۳۶)

۳۔ ''دین خیرخواہی کا نام ہے۔'' آپؐ سے پوچھا گیا: ''کس سے خیرخواہی؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور تمام مؤمنوں سے خیرخواہی'' (۳۷)

۴۔ ''کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا، جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔'' (۳۸)

۵۔ ''جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''(۳۹)

۶۔ ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔''(۴۰)

۷۔ ''مسلمان کیلئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھے''(۴۱)

۸۔ ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہے، خواہ اس سے پہچان ہو یا نہ ہو۔''(۴۲)

۹۔ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جو اس پر نہ ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے۔''(۴۳)

۱۰۔ ''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا ہوتا ہے۔ اللہ اسکی حاجت روائی میں لگا ہوتا ہے''(۴۴)

۱۱۔ ''بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کی باتوں پر کان مت لگاؤ، اور نہ ہی کسی کی ٹوہ میں رہو۔ دنیا کے لئے ریس نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ دشمنی رکھو اور بھائی بھائی بن کر اللہ کے بندے بن جاؤ۔''(۴۵)

۱۲۔ ''چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔''(۴۶)

۱۳۔ ''جو شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا، قیامت کے دن اللہ اس کا عیب چھپائے گا۔''(۴۷)

(۱۳) غیر مسلموں کے حقوق

مملکتِ اسلامیہ میں غیر مسلموں کو بھی وہی قانونی حقوق حاصل ہیں، جیسے مسلمانوں کو ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کو قتل کر ڈالتا تو حضرت عمرؓ اس کی فوری دادرسی کرتے اور انہیں انصاف دلاتے۔ مال اور جائیداد کے متعلق ان کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضہ میں تھیں، فتح کے بعد بھی انہی کے قبضہ میں بحال رہنے دی گئیں۔ ملکی انتظامات میں بھی ان سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ آپؓ کے دور میں قاعدہ یہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج ہو جاتا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایسی ہی مراعات ذمیوں کو بھی حاصل تھیں۔ مذہبی عبادات و رسوم کی ادائیگی میں بھی انہیں پوری آزادی حاصل تھی(۴۸) وہ ناقوس بجاتے اور صلیب نکالتے تھے۔ اور اگر کوئی مسلمان ان سے سخت کلامی سے پیش آتا تو وہ سزا کا مستوجب ہوتا تھا۔

ماحاصل یہ ہے کہ سوائے کلیدی اسامیوں پر فائز ہونے کے ان لوگوں کو وہ قانونی مراعات حاصل تھیں، جو مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ غیر مسلموں نے اپنی ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ غیر مسلم ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکرگاہ میں مینابازار لگاتے، اپنے اہتمام سے سڑک اور پل تیار کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ (قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۲ھ میں پیش کردہ مقالہ)

حواشی:

۱۔متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الحج: خطبہ یوم النحر، الفصل الاول ۲۔مسلم: کتاب الحج۔ باب حجة النبی ﷺ
۳۔بخاری: کتاب الحدود باب إقامة الحدود ۴۔بخاری: کتاب استتابة المرتدین
۵۔مسلم: کتاب الحدود۔ باب حد الخمر ۶۔مسلم: کتاب الایمان، عنوان باب
۷۔مسلم: کتاب الایمان۔ باب من قتل دون مالہ فھو شھید ۸۔مسلم: کتاب الایمان
۹۔مسلم: کتاب البر والصلة۔ باب تحریم ظلم...... ۱۰۔مسلم: کتاب الایمان۔عنوان باب
۱۱۔بخاری: کتاب المزارعہ

۱۲۔یہ شخص حضرت بلالؓ تھے۔اور حضرت ابوذرؓ نے جو ماں کی گالی دی، وہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے کہا تھا، ''اے کالی ماں کے بیٹے!''......رسول اللہ ﷺ نے اس پر جب ناراضگی کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوذرؓ نے حضرت بلالؓ سے معافی مانگی اور اپنا گال زمین پر رکھ کر کہنے لگے،''اس وقت تک اپنا گال نہ اٹھاؤں گا، جب تک حضرت بلالؓ اپنے پاؤں سے نہ روندیں۔'' (وحید الزمان مترجم بخاری)

۱۳۔بخاری: کتاب فضائل القرآن۔عنوان باب......۱۴۔مشکوٰۃ: کتاب العلم۔فصل ثانی......۱۵۔الفاروق: شبلی نعمانی صفحہ ۲۶۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، بحوالہ الاصابہ فی احوال الصحابہؓ......۱۶۔ابوداد۔ کتاب الطلاق: باب فی کراھیة الطلاق...... ۱۷۔ بخاری: کتاب الادب۔ باب من أحق الناس بحسن الصحبة......۱۸۔مسلم: کتاب البر والصلة، باب تقدیم برالوالدین......۱۹۔مسلم: کتاب الایمان......۲۰۔ابن ماجہ: ابواب التجارات۔باب للرجل من مال ولدہ...... ۲۱۔ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب البیوع۔ باب الکسب ......۲۲۔ابوداود: کتاب الزکوٰة۔ باب الاستعفاف عن المسئلة...... ۲۳۔بخاری: کتاب الایمان۔باب المعاصی من أمر الجاھلیة......۲۴۔ابن ماجہ: کتاب الدیات......
۲۵۔بخاری: کتاب الادب۔ باب لیس الواصل بالمکافئ......۲۶۔ایضاً......۲۷۔ایضاً......۲۸۔ بخاری: کتاب الادب ۔ باب اثم القاطع......۲۹۔بخاری: کتاب الادب۔ باب اثم القاطع/مسلم: کتاب البر والصلة۔باب صلة الرحم......۳۰۔بخاری: کتاب الادب۔باب الوصیة بالجار......۳۱۔شعب الایمان للبیہقی......۳۲۔بخاری: کتاب الادب۔ باب اثم من لایأمن جارہ......۳۳۔ترمذی: ابواب البر والصلة۔ باب فی حق الجوار......۳۴۔مشکوٰۃ: کتاب الآداب۔باب البر والنفقة فصل ثالث......۳۵۔بخاری: کتاب الادب، باب رحمة الناس والبھائم......
۳۶۔بخاری: کتاب الادب، باب تعاون المسلمین......۳۷۔مسلم: کتاب الایمان، باب الدین النصیحة......
۳۸۔بخاری: کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ......۳۹۔بخاری: کتاب الادب، باب رحمة الناس والبھائم......۴۰۔بخاری: کتاب الایمان۔باب المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ ......۴۱۔بخاری: کتاب الادب۔باب ماینھیٰ عن التحاسد......۴۲۔بخاری: کتاب الاستیذان، باب إفشاء السلام ......۴۳۔بخاری: کتاب الاکراہ، باب یمین الرجال لصحابہ......۴۴۔بخاری: کتاب الاکراہ، باب یمین الرجال لصحابہ......۴۵۔مسلم: کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن......۴۶۔مسلم۔کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن ۴۷۔مسلم: کتاب البر والصلة۔باب تحریم الغیبة......۴۸: ماخوذ از الفاروق، شبلی نعمانی، زیر عنوان ''ذمیوں کے حقوق''